

پینا شروع کیا۔ ہے ہے آباجان! ہے ہے آباجان کو کیا ہو گیا۔ میں
ہے نزلہ برعضو ضعیف می ریزد۔ آخرتی سرکپڑے سامنے کھڑی تھی۔ جب سے یہیں
آئی ہیں۔ کسی بیگم جب سے یہ یہ سب اس چڑیل کی بدولت ہوا۔ گھر کو فاک
میں ملا دیا۔ جھاڑ دپھر دی۔ اب تک گھر سے ہنیں بکلتی، اب کیا مردے نکال کے جاؤ گی
اور مردات تو کر دیا۔ اب اُن میں ہے کیا۔

آخرتی۔ با جی ما موس جان کی طبیعت اچھی نہیں ہے۔ اس وقت لڑنا مناسب
نہیں ہے خدا اُن کو اچھا کروے پھر جو چاہتا کہنا۔

جعفری۔ چُپ تیری با جی کون ایسی تیسی ہے۔ بڑی ما موس جان کی عیا
تیرے کارن تو یہ حال ہوا۔ جب سے آئی گھر میں چھوت لگ گئی بھرا پڑا گھر تھس نہ ہو گیا
مولی بھن پیری سبز قدم۔ پہلے مال پر بنی اب جان پر بن گئی۔

”جعفری خود شید مرزا کی بڑی لڑکی تھی اُن کے نہ ہوتے یہی گھر کی بزرگ تھی
اگرچہ مسلمانوں کی شریعت سے ددلؤں ہنسیں برابر کی حصہ دار تھیں پھر بھی جعفری بڑی
ہوئے کی وجہ سے اس گھر کی حاکم تھی۔ اب خورشید مرزا بے ہوش پڑے ہیں گو یا امروہ
ہیں۔ جعفری کو حکومت جتائے کا اچھا موقع ہاتھ آیا وہ آخرتی سے خار کھانی تھی
دل ہی دل میں تادِ تیج کھا کے رہ جاتی تھی۔ خورشید مرزا کے ہوتے کسی کی مجال نہ تھی
کہ دم مار سکے اب خود جعفری کا راج تھا اُس نے برسوں کی کسردم بھریں نکال لی،
سچ تو یہ ہے کہ اس حکومت کے ملنے سے ایک طور سے خوش ہوں اس نے کہ اُس کو
آخرتی سے انتقام لینے کا موقع مل گیا جیسے اکثر جاہل کہا کرتے ہیں کہ سوا گھری
کی بادشاہت ہو جائے تو جس نے مجھ کو ستایا ہے اُس کی بوجیاں کاٹ کے چیل کو دوں
کو کھلادوں۔ ٹھیک یہی حال تھا۔ البتہ لیلہ میں اس کی مثال ملتی ہے سوتھے جائے کی
کہاں میں خلیفہ ہارون رشید کی خلافت ملنے سے ابو الحسن نے پتنے محلہ کے موڈن کو

پُو اکے نشیر کیا اور شہر سے بکلوادیا، بس یہی سلوک جعفری نے اختری کے ساتھ کیا۔ اب تجھکو ایک دم کے لئے گھر میں رہنے دوں گی۔ یہ کہہ کے ہاتھ پکڑ کے باہر نکالنے پڑی۔

نادرتی۔ باجی عذر کے قہر سے ڈر دکوئی اس طرح بھی کسی کے ساتھ کرتا ہے آباجان خفا ہوں گے۔

جعفری۔ اور ہاگ بگولا ہو گئی، تو چُپ رہ ہنس تو مارنے مارتے دم تپرا بکال ڈالوں گی۔ پھر اخترتی کی طرف بڑھی۔

اخترتی۔ اچھا ڈولی بُلوا لینے دو۔

جعفری۔ بڑی ڈولی پر چڑھنے والی۔ پرانے گھر میں خیرات کے ٹکڑوں پر بڑی میں ڈولی پر سوار ہو کے جائیں گی۔ خیرات خوری۔

اخترتی کو کچھہ بن پڑتا۔ دروازے پر جا کے لذکروں کا منہ بھروں کے سر سے پاؤں بکب چادر اور ھلی اور ہر مری کا گھر تھوڑی دور تھا، لگی میں سنا ڈا پڑا تھا، زار و دار رہوئی ہوئی، ہر مری کی ماں کے پاس چلی گئی، یہ وہی دن تھا جب ہر مری بُن کی فکر میں ریلوے اسٹیشن گئی، ہوئی تھی۔

ترے کوچھ سے نلامیں جیسی جبکہ سے ہم نکلے
کہ جیسے کشکش میں عاشق شیدا کا دم نکلے

ہر مری کی ماں اخترتی کے حالات سے کسی قدر دائیت ہو چکی تھیں اخترتی کو اس دہارے سے نکلنے دیکھ کے سخت تاسف کیا۔ یہ بی جعفری کے کروٹ ہیں، میں تو پہلے کہتی تھی کہ ایک دن یہ انجام ہونا ہے یہ لڑکی کسی کی ہنسی ہے کیسے طوٹے کی طرح انگھیں چھپ لیں خدا کرے نور شید مرزا لاٹھ کھڑے ہوں تو دیکھا بی جعفری کی کی گت ہوئی ہے۔

اخترتی۔ وہ خدا کرے جلد اچھے ہو جائیں میں تو اُس گھر میں آباد ہو جاؤں گی، میرے

نر دیک جعفری کا کوئی وضو نہیں ہے یہ میری قسمت ہے اماں کیا سمجھی تھیں جو کچھ ہے انہوں
لئے میرے لئے کیا میری بھلانی کے لئے کیا اُن کو اس دن کی خبر تھی، یہ تقدیری امور ہیں
جس کو میں دوست بناؤں مراد شمن ہو جائے
میں اگر ہوم کو پچھلا دل تو آہن ہو جائے

خورشید مرزا پر عشقی کا عالم دیرتاک طاری رہا آخر جعفری نے صحیح تجھن کے کان کے
پاس چلا چلا کے ہو شیار کر دیا۔ ہو شیار تو ہوئے مگر بجا رہہت تیز ہو گیا تھا۔ اب جو آنکھ کھلی
بہکی بہکی باہم کرنے لگے۔ پلنگ پر اُنہوں بیٹھ کھڑے ہو گئے۔ کپڑے پھاڑنے لگے، سرسامی
مالت ہو گئی، لگھیں عورتیں تھیں یا باہر نہ کر جا کر لختے۔ حکیم جعفر علی کو دریافت کیا معلوم ہوا
باہر رکھنے ہوئے ہیں کب کے ایکسا بھتھہ ہو اکب آئیں گے معلوم ہیں۔ نواب مرزا اور جعفر علی
کی ایک صلاح تھی پچکے چکے کارروائیاں کرتے تھے کسی کو کا نوں کان معلوم نہ تھا کہ کیا
کر رہے ہیں۔

خورشید مرزا کی یہ حالت دیکھ کے ڈاکٹر کو بلایا، ڈاکٹر نے حال دریافت
کی معلوم ہوا، بخار تھا اور اسی حالت میں غش آگی تھا۔ ہم لوگوں نے جو نکایا۔ ڈاکٹر نے
سخت انسوں کیا غش آئے ہی کیوں نہ خبر کی، بیو تو نی سے چونکاے گئے اسی حالت میں نہ
آئے بکی داد بنا لختی تاکہ سو جائیں۔ جب آپ ہی آپ ہو شیار ہوتے اور بخار بھی اتر جاتا،
بہت بجلہ اچھے ہو جاتے۔ اب حالت نازک ہو گئی سخت سر سام ہے دماغ کی جھٹکی میں درم
ہو گیا ہے۔ مناسب تدبیریں بتائیں، سر پر برف بند ہوا ہی گئی، دو اپلاں گئی، بینہ آلتے
کے دوادی گئی۔ ڈاکٹر صاحب نواب کے دوست حالت خراب تھی جاہل غور توں سکی نیار دای
مشکل تھی اس لئے فوراً ہمپرال سے ایک دلایتی نر س کو بلا کے بیمار کو سپرد کیا۔

ائزگی نے پھر انسان بنت کی، حال دریافت کرنے کے لئے ایک غورت اور بھیجا، بخاری

پر دوچار کاریاں پڑیں خورشید مرزا کو تو سر سام تھا مگر جعفری گویا یا دیوانی نہ گئی تھی

احترمی پر رہ کے ع忿ہ آتا تھا۔ باپ کی بیماری کا الزام احترمی کے سر تھوڑا پا جاتا تھا اُنکی حال معلوم نہ تھا۔ نادری دم بجود تھی۔ باپ کو گھری گھری جا کے دیکھا آتی تھی اور اپنے کمرے میں چلکی بیٹھی دعا یس مانگ رہی تھی۔ جعفری کو سوائے بک بک جھک جھک رونا پڑنا چلانا باپ کے کمرے میں لٹھی جاتی تھے پھر چون کایا چاہتی ہے۔ نس نے روکا تو اُس سے لڑنے لگی آخر اُس نے بہت ڈانٹا۔ ڈالے جانے کی دھمکی دی۔ صاف منہ پر کہہ دیا کہ اگر تم اپنی بیوی قومی سے علاج نہ کر لے دو گی تو یہ نواب مر جائے گا۔

جعفری۔ خدا نے کرے ترے منہ میں خاک، وہ تو کہئے والا یتی نہ س اُر دوزبان جانتی نہ تھی ورنہ بی جعفری کو بندہ بانی کی سزا لمجاتی، وہ یہ سمجھی بیمار باپ کے لئے بڑی بیٹی دعا مانگتی تھے۔

آخر داکٹر صاحب سے شکایت کی نوبت آئی، داکٹر صاحب نے بہت سمجھایا کہ علاج ہونے دو تھم لوگ علاج میں دخل نہ دو درنے افسوس ہو گا۔ آخر جعفری کو لوگوں چاکروں نے سمجھا بجھا کے خاموش کیا، قاعدہ سے علاج ہونے لگا۔ سچ ہنادان کی دستی جی کا زیماں جعفری باپ کی عاشق تھی اُس نے جو کچھ کیا باپ کی محبت سے کیا اگرچہ جس بد اخلاقی سے اُس نے احترمی کو نکالا تھا وہ کسی طرح قابل عفونہ تھا مگر احترمی بجائے خود نا دم تھی اُس کو بھی خورشید مرزا سے محبت تھی۔ تیمارداری کا اس کو اچھا سلیقہ تھا اگر وہ گھر میں موجود ہوئی خورشید مرزا کے علاج اور تیمارداری میں بڑی مدد ملتی مگر اُس کا کوئی نام نہ سکتا تھا، ادھر وہ خورشید مرزا کے دیکھنے کو تردیتی تھی مگر دیکھنا کیسا کہی دن ہو گئے کسی نے حال اُنکے نہ کہا۔ کہتا کون، بی جعفری سب پر حاکم نہیں۔ اُن کے مارے کوئی دم نہ مار سکتا تھا۔

خورشید مرزا کو چاردن کے بعد کسی قدر ہوش آیا، سر سام سے خدا نے نجات دی بخا۔ بھی کم تو گیا مگر اس تھا کا منفعت تھا۔ داکٹر کا حکم ہے سوا نس کے کوئی بیمار کے پاس

نہ جانے پائے ایسا کوئی حال نہ کہا جائے جس سے دل و دماغ کو صدمہ پہنچے بلکہ کوئی
بات نہ کرے نہ اچھی نہ بُری سکون و آرام کی ضرورت ہے، نہیں تو بیماری کے پلٹ جانے
کا خوف ہے۔ اگر اب بخار زیادہ ہوا فوراً سرماںی حالت پھر ہو جائے گی اور اب کی
جانبri مشکل سے ہو گی۔ خورشید مرزا کے ایک قدیم دوست ڈاکٹر عنايت علی بیبا بی بی کا
حال سن کے دیکھنے آئے انھوں نے دوست کے بناءے اور پلوانے کا اہتمام اپنے ذمہ
لے لیا۔ لڑکیوں کو پس پر دہ ملا کے بڑے ڈاکٹر کا حکم سمجھا دیا۔ اور اپنی رائے بھی
ظاہر کی دیکھو خدا کے واسطے کسی قسم کا شور دغل گھر میں نہ ہونے پا کے۔

جعفری۔ یہ تو بڑی مشکل ہے کہ ہم اپنے باپ کو ایک دلایتی میم کے ہاتھوں ہی
چھوڑ دیں خدا جانے اُن کو ضرورت تھا تو پیاس سے ہوں بھوکے ہوں۔ دوسرے غیر مذہب
ایسے وقت میں کیسی بنے۔

ڈاکٹر عنايت علی۔ آپ اپنی محبت کو ذرا اضبط کرچئے خدا نہ کرے اُن کی دہ حالت
اب نہیں ہے جس سے ایسا خیال ہو جو آئنے ظاہر کیا ہے۔ میں بھی تو مسلمان ہوں پس
دوستی اور محبت عقل کے ساتھ ہونا چاہئے۔ جو کچھ بیمار کے حق میں حکیم کی راستے
ہے اُس کی تعیین دوستی ہے۔

جعفری کے خیالات دُوڑ دراز تھے اُن کا منشار یہ تھا کہ اس حالت میں میرا
پاس رہنا ضروری ہے، دلی متنا غیر لوگوں کے سامنے زبان سے ادا نہ ہو سکتا تھا۔ صیت
آخری میں دھیان لگانا ہوا تھا۔ ایسا نہ ہو مجھے خبر نہ ہو بادا جان اس حالت میں کوئی
وصیت نامہ لکھدیں، آخرتی کے نام ثلث جاتا اور منافق کوئی توزندگی میں بھی آخرتی
لے نہوں لوت اوت کے کھانا اور مرلنے کے بعد بھی تہائی کی جعلہ دار بن کے بیٹھیں گی۔
یہ ہم نہیں سمجھتے کہ جعفری کو باپ کی محبت نہ تھی دہ یہ بھی چاہتی تھی کہ اس علامت کی
حالت میں وہ باپ کی خدمت کرے کے تو اب حاصل کرے مگر اسی کے ساتھ ہی وصیت نامہ

اور شمشاد کے بھل جانے کا اندر یتھہ لگا ہوا تھا، ڈاکٹر عنایت علی کے دفعتہ آجائے۔ اور آپ ہی آپ تیمارداری کا ہتمام اپنے ہاتھ میں یعنی سے اُس کو یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ عنایت علی کو اختری نے بھیجا ہے۔ یہ خیال اس لئے پیدا ہوا تھا کہ اختری کے علاج کے لئے ڈاکٹر عنایت علی کی کئی مرتبہ آئے تھے۔ جعفری اس وقت گھر کی حاکم تھی مگر اُس کو جرأت نہ ہوئی تھی کہ باپ کے ایک قدیم مدست کو روک سکے۔

خورشید مرزا اب ہوش میں تھے لیکن اُن کو گھر کے حالات سے اطلاع نہ تھی اُن کو کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ اختری اب اس گھر میں نہیں رہتی وہاب کی طبیعت میں بدگمانی کا شائیبہ نہ تھا وہ خود دل کے نیک تھے اور سب کو نیک سمجھتے تھے جب انکو مزاد علی! ایسے جعلیہ سے کبھی بدگمانی نہیں ہوئی یہاں تک کہ وہ نوٹ، اور صندوق تھے لیکے فرار ہو گیا۔ تو اپنی بیٹی جعفری کی نسبت کب یہ خیال ہو سکتا تھا کہ میرے بیہوش ہونے ہی اُس نے اختری کو اس ذلت کے ساتھ گھر سے نکال دیا، وہ صرف اتنا جانتے تھے کہ جعفری اختری سے صاف نہیں ہے دلی رنجشیں ہیں لیکن رنجشیں ایسی ہی ہیں جیسی چارہ دیواری میں رہتے والی نیک بخت عورتوں میں ہو اکری ہیں۔ اُپس میں بول چال نہیں ہے ایک دوسرے کو دیکھ کے منہ پھر لیتا ہے یا کہیں ایک کو بیٹھ کسی سے باتیں کرتے دیکھ دیاں دوسری نہ گئی یا اگر دوسری کسی کے پاس جا بیٹھی تو پہلی منہ بنائے تیوری چڑھا کے اٹھ گئی یا اگر ایک کو کسی سے زیادہ باتیں کرتے بلتے جلتے دیکھا تو خوبات کرنا ملنا چھوڑ دیا، یہ تو انتہا کا کمیہ پن تھا کہ ایک پر دو نشین دوسری پر دو نشین کو دن دہارے ہاتھ پکڑ کے سر بازار نکال دے کبھی خورشید مرزا کو جعفری سے ایسی بیہودگی کے واقع ہونے کا خیال نہ تھا نہ ہو سکتا تھا۔ مگر رشک وحدوہ بلا ہے کہ نوع انسانی کی پہلوی ہی نسل میں ایک بھائی (قابلی)، نے دوسرے بھائی درہابیل کو قتل کر دیا۔

خورشید مرزا بستر علامت پر پڑے ہوئے اس خیال میں ہیں کہ گھر کی حالت دہی ہے جو میری علامت کے پہلے تھی اچھا ہوا کہ خورشید مرزا کو آخرتی کے نکالے جانے کا حال اُس وقت معلوم ہوا جب وہ اس صدمہ کے برداشت کے قابل ہو گئے تھے۔ اس وقت خورشید مرزا کا باں باں آخرتی کا ممنون احسان تھا۔ جس گھر سے آخرتی اس ذلت سے نکالی دی گئی تھی۔ وہ گھر آخرتی کے روپیہ سے نیلام سے چھپڑایا گیا تھا وہ موضع جس سے غلام آتا تھا جو اس گھر میں کہتا تھا۔ جس میں سے دور و سیاں آخرتی بھی لکھا لیا کرتی تھی۔ اور اب وہ دور و سیاں بھی پھین لی گئی تھیں، آخرتی کا موضع تھا۔ ترکاری، آلو، گوجی، مسٹر کی چلیاں جو باغ سے آکے اس گھر میں لکھانے پکانے میں صرف ہوئی تھیں وہ آخرتی کا تھا غرض کہ جو کچھہ مال دنیا اس باب خورد و نوش عیش دراحت اس گھر میں لہیا تھا وہ آخرتی کی بدولت تھا جس سے آخرتی اس بدخلتی کے ساتھ محروم کی گئی تھی۔ یہ سچ ہے کہ جعفری کو پہلے حالات معلوم نہ لختے مگر اس کو یہ ضرور معلوم تھا کہ باب کو آخرتی سے محبت ہے وہ باب کی لے پالک سمجھی جاتی ہے۔ باب کے غریز کی یا پہلی منگیت کی لڑکی ہے۔ اگر خدا نخواستہ باب کی آنکھ بند ہو جاتی، جعفری کو لازم تھا کہ آخرتی کو اپنی ہیں سمجھتی جعفری آخرتی کو نکال کے سخت اخلاقی گناہ کی مرتب، ہوئی اور اس کی پاداش کی مستوجب تھی، وہ باب کی بھی گناہگاری تھی اور خدا کی بھی اس لئے کہ اخلاق خدا کی قانون ہے۔ اس سلطنت کی خلاف درز کر کے کوئی ستر نہیں بچ سکتا۔ اُس قادر مطلق نے اپنے ہر قانون کے ساتھ خواہ وہ جسمانی ہو خواہ روحانی، اُس کی خلاف درزی کے عذاب کو لازم و مازوم کر دیا ہے۔ شلاؤں بھر کام کرنے کے بعد رات کو چند ساعت آرام لینا بد لی قانون ہے اگر کوئی اس قانون کو تردد نہیں کر سکے اسکا اسنان کے اسکان سے خارج ہے سولی پر بھی نہیں آ جاتی ہے۔ اگر بمشکل جا کر رہا کوئی کام نہ کر سکے کائنات کا خمار اور کسلنڈی موت

کامرا چکھا دیگی۔

احسان فرمودشی اعلانی گناہ ہے۔ اگر اس کا مرتكب ہوگا۔ نظام معاشرت کے افراد کی نظر میں ذیل ہو جائے کا، کہیں دست قدرت سے مجرم کو سزا ملنی ہے کبھی خلق خدا کے ذمہ یہ ناگوار خدمت سپرد ہو جاتی ہے۔ چاہئے کوئی مجرم صاف چھوٹ جائے کور انہل جائے مجال کیا ہے۔ لکھوڑی دیر تکانتقام سے جعفری کو لطف آیا وہ بھی اس دست جبکہ باپ بے ہوش بسطا ہر مرد ہتھے۔ خود غرض دغصب سے تمام دن لرز رہا تھا۔ ایک مظلوم پرده نشین کو ہاتھ پکڑ کے دروازہ کے باہر کر دینے میں جو پچھہ لذت ملی ہے مگر یہ لذت اُس لذت کے برابر ہے جو داقعی مجرم جان کے بخشد ہینے میں ملتی ہے۔ یہ لذت اختری کے نصیب میں تھی۔

خلیفہ ماسون رشید کہا کرتا تھا کہ اگر نجہرموں کو معلوم ہو کہ مجہوں عفو میں کیا لذت ملتی ہے اور مجھے اس لذت کی کس قدر حرص ہے تو عجب ہنسیں ارتکاب جرم کی جرأتیں بہت بڑھ جائیں۔

باب

جب یہ واقعات، بلوں کے دائقہ کے بعد، ہر فری نے دوسرے دن شرفو کے مکان پر جو اس مکان کے پچھوڑے تھا آدمی بھی کبیر حجم بخش کو بلوانا چاہا۔ مکان میں قفس ٹپا تھا، اور حجم بخش کو معلوم تھا کہ اُس کی اور شرفو کی ضرورت ملاش ہو گی۔ اس لئے یہ دونوں روپوں ہو گئے۔ مرآد علی کی فراری جس کے بعض حالات خود ہر فری کی نظر سے گذرے تھے لگر اُس کو مکان غالب تھا کہ نواب مرزا اُس کے تعاقب میں گئے ہیں، خورشید مرزا کی سخت علالت اور اُسی سلسلہ میں اختتامی کا نکالا جانا یہ سب واقعات ایسے نہ تھے کہ خاموشی اختیار کی جاتی، اور حتی الامکان کو شکش نہ کی جاتی۔ ہر فری نے حکیم جعفر علی کو آگرتے کے ایک ہوٹل کے پتہ لے جس کا نام اس کو کسی طرح یاد تھا تاریخے دیا تھا اُس کو خیال تھا کہ یہ تاریخ بہنس حکیم صاحب کو مل جائے، واپسی کے وقت یہ تاریخ میں حکیم صاحب کو ملا۔ مفہوم یہ تھا کہ لکھنؤ میں آپ کی سخت ضرورت ہے۔ گوالیر میں حکیم صاحب کو ملا۔ مفہوم یہ تھا کہ لکھنؤ میں آپ کی سخت ضرورت ہے۔ حکیم صاحب نے واپسی میں بڑی جلدی کی آفر ہفتہ کے دن سرہشام حکیم صاحب لکھنؤ میں داخل ہوئے۔ رات کی رات گھر میں آرام کی نمازِ صبح کے بعد خورشید مرزا کے مکان پر گئے۔

حکیم صاحب کو ہر فری کے تاریخ سے اتنا ضرور معلوم ہوا کہ کوئی جدید واقعہ لکھنؤ میں ہوا ہے۔ خورشید مرزا کے مکان پر نوکروں چاکر دل کو مرآد علی کے فرار ہو جانے کی اطلاع ہو گئی تھی، یہ لوگ نواب صاحب کی علالت میں اختتامی کے نکالے جانے اور

جعفری بیگم کے حاکم بن کے پہنچنے سے سخت ناخوش تھے۔ وہ جعفری کی طرح بیو قوت نہ تھو۔ آخرتی کی دولت مندی اور لواب صاحب کا اس کے روپیہ سے مدد لینا اگرچہ تفصیل کے ساتھ نہ جانتے تھے مگر کچھ ہے کچھ ہے سمجھے ہوئے تھے۔ جعفری کی آنکھوں پر حسد نے پردے ڈال دئے تھے وہ اس گھر میں اپنے نے سے زیادہ حکومت کا مستحق کسی کو نہ سمجھتی ہی نہ لھتی۔ آخرتی کے ساتھ جو اس نے سلوک کیا تھا اس کا سب کو رنج تھا، انہیں آنکھیں کسی ایسے شخص کو ڈھونڈھو رہی تھیں جو بڑی صاحبزادی پر دباؤ ڈالے۔ جب آخرتی بیگم کو گھرے لھڑے نکال دیا جن کو لواب صاحب لڑکیوں سے زیادہ چاہتا تھا تو ہم کو نکال دیتے کتنی دیر لگتی ہے۔ حکیم صاحب کیا آئے گویا سب کی مراد آئی۔ سب سے زیادہ نادری کو خوشی ہوئی۔ جو جعفری بیگم سے اس معاملہ میں جلی ہوئی تھی مگر کچھ نہ کر سکتی تھی۔ حکیم صاحب اس کے منگپتھر تھے، نکاح ہونے ہی والا تھا، حکیم صاحب کے آنے سے نادری کا پلہ بھاری ہو گیا۔ حکیم صاحب کے آنے کی اطلاع مدار بخش نے دروازہ پر پکار کے دی۔ حکیم صاحب آتے ہیں! اس آواز کو سننے ہی نادری سات پر دل میں جان کے چھپ گئی۔ جعفری کے منہ پر ہوا یاں چھٹے لگیں، خوب جانتی تھی کہ حکیم صاحب آخرتی کے طرف ندار ہیں وہ صرور دریافت کریں گے کہ آخرتی کو کس نے نکالا؟ ہمیں کیون نکالا؟

حکیم صاحب انگنامی میں قدم دھرتے ہی دریافت کیا، کیا آخرتی بیگم جاتی ہیں؟ رحمت سامنے گھری تھی، فوراً ہمارے آنے کی اطلاع کرو اگر سوچی ہوں تو جھگاو رحمت حکیم صاحب کا یہ حکم سُن کے پہلے تو سکوت کے عالم میں تھوڑی دیر گھری رہی۔

حکیم صاحب کے دوبارہ تاکید کرنے کے بعد رحمت وہ اس گھر میں جی جم ہیں۔

حکیم صاحب۔ (ذر اسخت آواز سے) کیا آخرتی بیگم اس گھر میں نہیں ہیں تو کہاں گئیں؟

رحمت۔ کیا کہا جائے ہم لوگ نا بعدار ہیں۔ اتنا کہہ کے چب ہو رہی۔ اگرچہ

اختری کا نکالا جانا سب کے خلاف تھا۔ رحیمن پر اختری بہت مہربان تھیں۔ چُپکے چُپکے بہت کچھ یاد کر تھیں۔ یہ سب ہی، مگر عصفری بیگم کی شکایت کرے یہ اُس کی مجال نہ تھی۔

حکیم صاحب۔ تو ساف کہو آخر کیا ہوا۔
رحیمن۔ اب کیا کر سکتی تھی۔ نواب صاحب کی بیماری میں بڑی صاحبزادی سے لڑائی ہوئی۔

حکیم صاحب۔ پھر؟ اختری بیگم خود کہیں چلی گئیں۔ اپنی خوشی سے، اور نواب صاحب لے ہنسیں روکا۔

رحیمن۔ نواب صاحب کے فرشتوں کو خبر نہیں، اُن کے دشمن ہیو شپڑے تھے۔ حکیم صاحب اور اس حالت میں نواب صاحب کو چھوڑ کے اختری چلی گئیں یہ مجھے نہیں لقین آبکھا۔

رحیمن۔ راہب مجبور ہو کے کہنا ہی پڑا، تو کری رہے یا جائے ایمان کی بات کیوں چھپائیں، وہ کیا آپ سے گئیں۔

حکیم صاحب۔ تو ساف کہو عصفری بیگم صاحبہ نے نکال دیا۔
رحیمن نے سکوت کیا۔ حکیم صاحب کو معلوم ہو گیا کہ یہی واقعہ ہے۔
حکیم صاحب۔ عصفری بیگم صاحبہ کو ہرگز لازم نہ تھا کہ نواب صاحب علاالت میں اختری بیگم کو گھر سے بارے دیں۔

رحیمن۔ تو کیا وہ بیماری آپ سے گئیں، رحیمن نے چُپکے چُپکے کل داقعہ حکیم صاحب سے کہدیا۔

حکیم صاحب۔ اس ظلم کے ساتھ دشمن کو بھی گھر سے نہیں کاٹتے، نواب صاحب کہاں ہیں۔

اس اثناء میں جعفری بیکم بھی پرده کے فریب آگئیں، یہ تو معلوم ہو چکا تھا کہ حکیم صاحب کو داقتیات معلوم ہو گئے، جعفری نے دل میں کہایا ہی وقت ہی اب اپنی حکومت اس گھر میں قائم رکھتا ہے تو اس وقت اُس کے اظہار کا اچھا موقعہ ہے جعفری بیکم گویا پورے سامان سے مورچے بندی کے لئے تیار ہو گئیں۔

جعفری بیکم - ہم اپنے حاکم ہیں، اپنے گھر کے مالک ہیں، ہم نے نکلا، ہمارے باپ کا ہزاروں روپیہ بر باد کیا۔ بھیک مانگنے کی نوبت آگئی۔ روپیہ ایک طرف دشمنوں کی جان کے لائے پڑ گئے، نکالنے نہ تو کیا کرتے؟

حکیم صاحب آپ نے بہت بُرا کیا۔ آپ کہتی ہیں کہ آپ کے والد محتاج ہوئے بے شک یہی ہوتا، بلکہ اس سے پہلے اختری کی بدولت برسوں سے آپ روٹیاں کھا رہی ہیں۔ گاؤں باغ مکان سب اختری کے روپیہ سے از سہر لون خریدا گیا ہے لونکر چاکر مامائیں سب اختری کے روپیہ سے نخواہ پائی ہیں۔

جعفری - (بات کاٹ کے) یہ سب جھوٹ!

حکیم صاحب (کو سخت غصہ آیا مگر رشتہ کا خیال کر کے ضبط کیا) میں ایسے الفاظ کے سُننے کے لئے آمادہ نہیں ہوں، جھوٹ سچ کا حال آپ کو خود نواب صاحب سے معلوم ہو گا۔ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ آپ کا گھر بھر خود نواب صاحب بھی اختری کے احسان نمند ہیں۔ یہ اُس کی تشرافت ہے کہ اس ذلت کے ساتھ گھر سے نکالے جانے پر بھی ایک لفظ اُس کی زبان سے نہ بکلا۔ یہ آپ کا طرف تھا کہ آپ نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا جو اپنادستِ نگر ہو۔ اُس کے ساتھ بھی زیبا نہیں نہ کہ خود جس کا دستِ نگر اور سرنا سر مر ہوں مبتہ ہو۔

جعفری - اپنی دھڑائی سے جھوٹ جھوٹ کہا کی۔ اب حکیم صاحب نے اُسکی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ جعفری کا جھوٹ جھوٹ محس بے غیرتی سے تھا۔ اُس کا

دل فوراً مان گیا۔ حکیم صاحب نوکر دل کی طرف متوجہ تھے روٹ سخن گویا اپنے منسویہ کی طرف تھا۔ نوکر حاکر حکیم صاحب کی بات کو کسی طرح جھوٹ نہ سمجھنے تھے جو جو حکیم صاحب کی بات کو سن رہا تھا اوسکو یقین آتا جاتا تھا۔ اس واقعہ کے بیان ہوتے ہی نوکر ماہائیں اصلیں آج سے اپنے کو آخرتی کا لون کر سمجھنے لگیں۔

حکیم صاحب۔ خدا کا شکر ہے کہ اس گھر کو ایسی نیک سماں بزادری رہیں زادی سے پالا پڑا ہے جس کی فیاضی کے آگے قاردن کے خزانہ کی بھی کوئی دقت نہیں ہے اگر کوئی اور ہوا درا بھی حساب نہیں کی طرف متوجہ ہو جائے اور دنیا کو سچ اور صحیح حالات کا پتہ حل جائے تو شاید ممنہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔ مگر آخرتی کی ریاست میں کوئی شبہ نہیں شاید اس کی ہمت زبانی شکر گذاری کی بھی پرواہ نہ کرے۔

جعفری بیگم اب بھی جھوٹ جھوٹ کہے جاتا ہے بس اس کو بھی ایک لفظ یاد ہے اور اس کی رٹ لگادی ہے۔

حکیم صاحب میں نے بہت برداشت کی۔ میں ہرگز اپنی نسبت اس لفظ کا سنا پستہ نہیں کرتا، بہتر ہے کہ آپ سکوت کریں۔ کسی کے جھوٹ کہہ دیتے ہیں میں کوئی پتھا جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ آپ یقین لایں یا نہ لا میں آپ کو اپنا اختیار ہے۔ مگر مجھکاولیقین ہے کہ یہی زبان جس سے آپ جھوٹ جھوٹ کہہ رہی ہیں اسی زبان سے آپ کو سچ سچ کہتا پڑے گا۔ اور اگر اس لفظ کے زبان پرنہلانے کی آپ قسم کھالیں گی تو آپ کا دل خود آپ کو جھوٹ مانادے گا۔ اب میں نو اپ صاحب کے پاس جاتا ہوں۔

رحیم۔ ڈاکٹر کی مناہی ہے۔ کوئی نہیں جانے پاتا اور میم صاحب بھی منع کرنی ہے۔

حکیم صاحب۔ تو کیا دلاجی نہ ستمارداری پر مقرر ہے یہ بہت خوب ہوا۔

رجھمن۔ حکیموں کے جلنے کی مناسبتی نہیں ہے۔

اس کے بعد حکیم صاحب بیمار کے کمرے کے پاس گئے نہ سے اخلاقاً اجازت لی، نہ حکیم صاحب کے پیشہ طبابت کے ساتھ سے بالکل معتبر نہ ہوئی، بلکہ یہ کہا۔
ابڑا بڑا صاحب اچھا ہے۔ زیادہ احتیاطگی ضرورت نہیں ہے۔

حکیم صاحب۔ مسکرا کے میں خود بھی دیکھ سکوں گا۔

نہ س۔ معافی مانگ کے خود علاحدہ ہو گئی۔

واہب خورشید مرزا اور حکیم جعفر علی کی دو دو باتیں:-

حکیم جعفر علی جب خورشید مرزا کے کمرے میں داخل ہوئے تو جعفری بیچھے پہنچے
چلی گئی، سُذوں کیا باتیں ہوتی ہیں۔ نہ س یہ سمجھی تھی کہ یہ حکیم ہے، بیمار کو دیکھ کے شاید
پچھے حالات مرضی کے متعلق دریافت کریں، جو ہمکو کچھہ ہڈا تھیں کریں۔ اس لئے میرا
فرض ہے کہ میں بیمار کے پاس حاضر ہوں، جب تک مرض کے باب میں لگتگو ہوا کی، نہ س
حاضر ہما جب اس کو معلوم ہوا کہ اب پرائیویٹ یعنی پرنسپل کی باتیں ہیں فوراً کمرے کے باہر
چلی گئی۔ یہاں اُس نے جعفری بیکم کو بیٹھے دیکھا اور سمجھہ لیا کہ یہ استراق سماعت یعنی
کسی کی راز کی باتیں چھپ کے سنبھال کر لے رہی ہیں اُس نے ناک بھوں چڑھائی سخت
لفڑت کی نظر سے جعفری کو دیکھا اگر جعفری ایسی اخلاقی باری کیاں کہ سمجھتی ہیں۔

خورشید مرزا ایک ڈھیلا کر تا پہنے نہ سے ناخن پاتک چادر اور ڈھنڈے آرام کر سی پر
بیٹھے ہیں، حکیم صاحب کو دیکھتے ہی اولاً تعظیم کے لئے اٹھنے کا قصد کیا۔ حکیم صاحب
نے اپنے سر کی قسم دے کے اٹھنے سے روکا خود ایک کرسی پر جو سامنے رکھی تھی جلدی
سے بیٹھ گئے۔

خورشید مرزا۔ حکیم صاحب آج مہینوں کے بعد آپ کو دیکھا۔ خدا جانے آپ
کہاں تشریف لے گئے تھے۔ مجھے پرچم بادلے گزر گئے، آپ کو خبر تک نہ ہوئی۔

حکیم صاحب۔ ہاں بعض حالات مجہوں معلوم ہوئے (ابھی تک اپنا تعلق آخری کے معاملات سے نطاہر نہیں کیا) مگر آپ تو بہت نقچہ ہو گئے ہیں۔ نبین دیکھوں۔

خورشید مرزا۔ نبین دکھا کے، آپ بہت اچھا دیکھتے ہیں عمر دوبارہ ہوئی۔

حکیم صاحب مگر اب ماشاء اللہ نبین میں حرارت مطلق نہیں ہے۔ صعنف بے حد ہے۔ مقویات کے استعمال سے بہت جلد طاقت عود کرتے ہیں، اگرچہ مجہہ کو افسوس ہے کہ میں ضرورت کے وقت کیوں نہ موجود ہوا۔ مگر میں بھی آپ ہی کے کام سے گیا تھا اور خدا کے فضل سے پوری کامیابی ہوئی۔ یہ چیز کا واقعہ بالکل بے اصل ثابت ہوا۔

خورشید مرزا۔ احمد اللہ، مگر وہ مرد و فرار ہو گیا۔ جواہرات کا صندوق چھاؤٹ

بیک چک سب غائب ہے۔

حکیم صاحب۔ خیر اُس کا تعاقب ہو رہا ہے کہاں جائے گا۔ آپ خاطر جمع رکھتے۔ اس کے بعد لواب مرزا صاحب کی صفت بیان کی، اپنی کل کارگذاری کو بھی نواب مرزا کی ذات سے مشوب کیا۔ یہ وہی بات ہے اخترتی بیکم کی خوشی قسمتی سے، مردے از غیب بُردن آید و کارے بکند۔ اگر وہ نہ ہوتے تو مجہہ سے کیا ہونا تھا کس قدر صاحب ہمت جوان مرد ہے۔

خورشید مرزا۔ ہاں ایسے بھی خدا کے نیک بندے ہوتے ہیں، ایک ہم ہی کہ ہم نے اپنی حافظوں سے سب مٹا کے رکھ دیا۔

حکیم صاحب۔ یہ آپ ہی کی نیک نیشی کا نتیجہ ہے کہ بغیر آپ کی درخواست کے ایسا کارگذار شخص آپ کا کام کر رہا ہے جسکی آپ کو خبر بھی نہیں۔

خورشید مرزا۔ یہ سب آپ کی کوششوں کا نتیجہ ہے اور آپ نے کب مجہہ سے کہہ کے کام کیا، خدا نے آپ کے دل میں نیکی ڈال دی، درست کون کس کے لئے محنت گوا کر تاہے۔ آپ کا یہ سفر کچھہ کم تھا۔

حکیم صاحب۔ آخرتی کو پہلے ہی مراد علی سے غبن کا اذیتہ تھا، آپ بوجہ اپنی جملی اخلاق کے اُس سے بدگمان نہ میکے درجنہ وہ کسی وقت اور کسی حالت میں داخل عنید نہ تھا۔ آخرتی کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ آپ کو فریب دے رہا ہے مگر اُس نے آپ کے لحاظ سے آپ سے کچھ نہیں کہا لیکن نواب مرزا کو اور مجھہ کو اس کام متعین کیا۔

خود شید مرزا۔ کیا کہوں میں آخرتی سے کس قدر شرمندہ ہوں آنکھ پار کرنے کو جی نہیں چاہتا، کاش میں پہلے ہی سے آپ کو ہر کام میں شریک رکھتا۔ مگر خیر آپ تو جو ہوا وہ ہوا۔ تلائی مافات امکان سے خارج ہے۔

حکیم صاحب۔ دل میں بہ شرمندگی بیجا نہیں ہے اُس غریب کو اپنے بھولے پن سے جس کو حمانت بھی کہتے ہیں ڈبو ہی دیا ہوتا، تلائی مافات بے شک امکان سے خارج ہے۔

خود شید مرزا۔ اگر آخرتی کو مجھ سے نفرت ہوگئی ہو تو یہ میری سرز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس علات کے زمانے میں وہ میرے قریب تک نہیں آئی۔ مزاج پُرسی تک نہیں کی، واقعی میں اسی تبل ہوں۔

حکیم صاحب۔ کیا دافعی آپ کو آخرتی کی نسبت ایسی بدگمانی ہے کہ وہ اس مکان میں ہوتی اور آپ کے دیکھنے کو نہ آئی۔

خود شید مرزا۔ ”یہ آپ نے کیا کہا، اس مکان میں ہوتی۔“ اس کے بعد بڑی حرث سے باواز بلند۔ تو کیا آخرتی اس مکان میں نہیں ہے؟ کہاں کی؟ کیا ہوا؟

حکیم صاحب۔ وہ جہاں کہیں ہے محفوظ ہے خاطر جمع رکھئے۔

خود شید مرزا۔ مگر میری سمجھہ میں نہیں آتا۔ پھر قودری دیر سکوت کر کے دل میں کچھ سمجھہ کے، آخرتی نے میری دلایت سے خوب فائدہ اٹھایا۔ ہاں میری ناقبت اندرستی کا یہی انجام ہوتا تھا۔

آخری بیگم

حکیم صاحب۔ وہ جو کچھ ہوا ہو مگر یہ باور کھجے کہ اختری اس مکان سے بالکل بے بس اور مجبور ہوتے کے گئی، اس لئے کہ جسدن آپ علیل ہوتے تھے، جعفری بیگم جب کی مصاحت اس کی مقصضی ہوئی کہ وہ اختری کو آپ کے مکان سے نکال دیں اور وہ جائے امن کے تلاش پر مجبور ہو۔ اب آپ خود ہی سمجھہ سکتے ہیں کہ اختری کا سی بس تھا۔ یہاں تک سنائیا ہے کہ اتنی دیر مہلت نہ دی کہ ڈولی منگا لے۔

خورشید مرزا۔ یہ آپ کیا فرماتے ہیں یعنی ایک پردہ نشین کم سن لڑکی دل کے سر بارداز سکال دی گئی۔

حکیم صاحب۔ قابل حیرت ہے مگر بعینہ یہی ہوا جو میں عرض کرتا ہوں۔

خورشید مرزا۔ خصہ کے مارے کا نیپ رہے تھے۔ یہ جعفری کی کارستانی ہو نادری نے بھی کوئی مدد نہ کی مجھے نادری سے تھجب ہے۔

حکیم صاحب۔ (اپنی منسوبہ نام شرمن سے بآپ کے سامنے نہ لے سکے) جعفری بیگم صاحب بزرگ خاندان بن کے پوری قابلیں ہو گئی تھیں کسی کو دم مارنے کی جیل نہ تھی۔

خورشید مرزا۔ یہ جبریہ ظلم۔ حکیم صاحب یاد رکھنے میں زندگی بھر جعفری سے صاف نہ ہونگا۔ اس نے مجھکو روحاںی صدمہ پہنچایا۔ اچھا آپ یہ بھی بتائے کہ وہ غریب اس بے سروسامانی سے آخر گئی کہاں؟

حکیم صاحب۔ سنائیا ہے کہ باہر نذکر و رکا منہ بند کراکے سر سے پاؤں تک چادر اور ڈھنکے زینت بیگم کے مکان پر چلی گئی۔ اور آپ تک دہی ہے۔

خورشید مرزا۔ یہ بھی غنیمت ہوا۔ اتفاق سے زینت بیگم کا مکان کا قریب تھا وہ خدا جائے کہاں تھوکریں کھاتی پھرتی۔ حکیم صاحب الفاظاً کہئے ان کم بخنوں کو معلوم ہے کہ میں اختری کو مثل بیٹیوں کے سمجھتا ہوں اگر کسی نیک بخت سے عقد کر لوں جیسا کہ

اکثر احباب نے مجھہ کو مشورہ دیا اور میری آنکھ بند ہو جائے تو یہ لڑکیاں کھڑے کھڑے اس کو نکال دیں، وادہ کیا شہر کے لوگ کہیں کے خود شید مرزا کی منکوچہ بازار میں بھیک مانگتی پھرتی ہے۔

حکیم صاحب۔ آثارِ تواپسے ہی ہیں، مجھکو اختری کی جبے عزتی سکا اتنا ہی صدھہ ہے جس طرح اپنی حقیقی بہن کی ذلت سے ہوتا۔

خورشید مرزا۔ ہر شریف کو ایسا ہی خیال چاہئے، مگر ان کم بختوں کی غیرت کو کیا ہوا۔

حکیم صاحب۔ زینت بیگم کا مکان بہت ہی مختصر ہے مگر جہاں تک اُن غربوں سے ہو سکا انہوں نے اختری کو تکلیف نہیں ہوئے ہے۔

خورشید مرزا۔ اُن کی سرافراز اور نیک بختی میں کوئی شک نہیں ہے مگر وہ مکان بہت ہی سنگ و تاریک ہے۔ دلے قسمت نواب خورشید بیگم کی اکلوٹی نازوں کی پلی لڑکی کی سکونت کے لئے ایسا مکان، اور یہم اس محل میں آرام سے بیٹھے ہوں جو اُسی کے روپیہ سے خرپا گیا ہے۔

جعفری بیگم چکپی بیٹھی سُن رہی ہیں اور شربت کے گھونٹ کی طرح حلے سے اتار رہی ہیں۔ اب تو شاید جعفری بیگم سماجہ کو جھوٹ کہنے کی جرأت نہ ہو جب اپنے باوا جان کی زبان سے اختری کی مقدرات کا حال سُن لیا۔ اب اگر جرأت ہو تو اپنے باب کو جھوٹا بنائیں یہ بھی ان کی سعادت مندی سے بعید نہیں، حسد ایسی ہی بُری بلاء ہے۔

خورشید مرزا بہت بہم لٹھے۔ کئی مرتبہ سخت العناڑ جعفری کے باب میں زبان پر اُسے جو کبھی خورشید مرزا ایسے بُردبار نیک طینت آدمی کی زبان سے کبھی کسی نے نہیں سُن لئے۔ تھوڑی دیر تک یہی عالت غیظ و غصب کی طاری رہی پھر حکیم صاحب سے مخاطب ہو کے، حکیم صاحب مجھے ایکدم کے لئے اختری کا اس مکان سے عالمیہ رہنا

گوارا نہیں ہے۔ آپ فوراً سوار کر لائیتے۔ میں خود اس سے معذرت کر دیں گا۔

حکیم صاحب۔ میں آپ کے حکم کے تعیں کے لئے ہاصل ہوں ابھی جاتا ہوں
.....
مگر.....

خورشید مرزا۔ مگر اس گھر میں واپس لانے کی رائے نہیں ہے۔

حکیم صاحب۔ جیسا میری عقل ناقص میں تو یہی آتا ہے کہ اس باب میں اختری
کی خوشی کو مقدم رکھا جائے اس کے بعد مرآڈ علی کے مقصد میں جو آپ کی ہدایت ہو
اُس پر عمل کیا جائے گا۔

خورشید مرزا۔ مجھے اپنی رائے پر اب کچھہ اعتماد نہیں رہا اب آپ اپنی رائے سے
کام کریں۔ جس قدر روپیہ کی ضرورت ہو یجھے۔ میرا اختری کے دیکھنے کو جی چاہتا ہو
اُس سے معذرت ضرور ہے۔ اس کے سوا مجھے کسی بات کی پردا نہیں ہے۔
حکیم صاحب۔ مناسب ہے میں اختری کے پاس جاتا ہوں اجازت ہو۔
خورشید مرزا۔ بہتر ہے۔

جعفری نے جو سنا کہ **حکیم صاحب** آتے ہیں فوراً جلد جلد قدم بڑھا کے اپنے
کمرے میں آبیٹھی۔ **حکیم صاحب** کو بھی یادوں کی آہٹ سے معلوم ہو گیا کہ خورشید مرزا
کی اوہ میری باتیں کوئی کان لگائے سُن رہا تھا مگر **حکیم صاحب** نے اب جعفری سے
ہم کلام ہونا مناسب نہ جانا۔ **حکیم صاحب** پیدھے زینت بیگم کے مکان پہ گئے۔

یہ ہم ناطرین سے کہنا بھول گئے تھے کہ **حکیم صاحب** کو جب اختری کا اس مکان میں
آن معلوم ہوا تھا تو خورشید مرزا صاحب سے ملنے کے پہلے وہ یہاں ہو کے گئے
تھے۔ اب دوسرا مرتبہ خورشید مرزا کا پیام لے کے جانے ہیں۔ اختری کو اسوقت

خورشید مرزا کی حالت معلوم ہوئی۔ مزاج کے رویہ ہوتے ہوئے سے بہت اطمینان
ہوا یہاں بہت دیر تک باہمیں ہوئیں۔ رحیم سخن، شرفو ابٹن۔ یہ سب کے حالات بیان

کئے گئے اگرچہ ہر مرزا کا ریل پر جانا چھاپا گیا۔ مگر حکیم صاحب کچھ سمجھہ گئے مگر خود حکیم صاحب نے بھی اس داقعہ کے صاف صاف بیان ہونے پر زور نہیں دیا۔ اس لئے کہ اس میں ہر مرزا اور زینب بیکم کی کسی قدر شبکی انوئی تھی۔ حتم کلام اس طرح ہوا کہ مرآد علی اور بون ڈن کو گاری میں بیٹھے دیکھنے والے بحثتم خود دیکھا کہ نواب مرزا گارڈی کے پاس سے ہٹادے گئے مگر وہ گارڈ کے پیچھے پیچھے چلے گئے تھے۔ پھر پلٹ کے نہیں آئے۔ غالباً ساختہ ہی گئے۔ حکیم صاحب نے بھی کہا یقیناً ساختہ گئے۔ مگر وہ عجب نہیں بیسی یا کراچی میں ہوں لیکن یہ نہیں معلوم کہاں ہیں، میں نور آرہانہ ہونے کو تیار ہوں۔ مگر مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ مجھے اب کراچی جانا چاہئے یا بیسی۔ نواب مرزا نے اپنے گھر پر اطلاع دی ہو گئی اب رات کے نوبجے ہیں کل اشاد اللہ جاؤں گا۔ اس کے بعد اختری کے جان لئے کے باب میں مشورہ ہوا۔ خود شید مرزا بے چین ہیں۔

اختری۔ مجھے کوئی عذر نہیں ہے اس لئے کہ اس میں ما موں جان کا کی قصور ہے اور میں تو کہتی ہوں کسی کا بھی تصور نہیں ہے۔ جعفری بیکم اپنے خیال کے موافق اپنے باب کی خیر خواہی کی، کیا براہی کی۔

زینب بیکم۔ خاک خیر خواہی کی۔ ہم نے مانا خیر خواہی کی مگر اس طرح گھر سے محبوہ کر کے نکالنے کو کیا کہا جائے۔

حکیم صاحب۔ درست ہے اور یہ بھی خیال فرمائیے کہ باب نے جکو برداشت کیا ہو اپنے گھر میں لا کے رکھا ہو اُس کو نکالنا باب کو بے وقوف سمجھنا اپنی عقل پر بھروسہ کر لیں اس قصور کو تو کہتی بھی عقلًا اور الفاظاً "معاف نہیں کر سکتا کہ ایک پرده نشین بھلکی کو دن دھار میں سری بازار نکال دیا جائے یہ بہت بڑا کیا۔

اختری۔ میں کل ما موں جان کو دیکھنے جاؤں گی، رات کے وقت بھیار کو نہیں پوچھے تھیں تو ابھی جانتی، میراجی خود اُن کے دیکھنے کو تردد پر رہا ہے۔